

حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو نصائح

(ملفوظات جلد 4 ایڈیشن 1984ء)

(تقریر نمبر 3)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرة: 202)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی حسنہ عطا کر اور آخرت میں بھی حسنہ عطا کر اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے

جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجاب سے پیار

معزز سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی زندگی میں بے شمار تقاریر کیں، درس دیئے، مجالس عرفان سے خطاب فرمایا۔ آپ کے ان ملفوظات، ارشادات، مناجات کو 10 جلدوں میں منضبط کیا۔ ان میں ہزاروں کی تعداد میں احباب جماعت کو قیمتی نصائح سے نوازا۔ ”مشاہدات“ کے تحت احباب جماعت کے لئے اکٹھا کیا جا رہا ہے اور جلد 4 سے نصائح پیش کی رہی ہیں۔ یہ جلد چہارم کی تقریر نمبر 3 ہے۔

حسانت دارین کی دُعا

حضرت اقدس علیہ السلام نے رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ کی معنی اور تفسیر میں فرمایا:

”انسان اپنے نفس کی خوشحالی کے واسطے دو چیزوں کا محتاج ہے۔ ایک دنیا کی مختصر زندگی اور اس میں جو کچھ مصائب شدائد ابتلاء وغیرہ اُسے پیش آتے ہیں۔ اُن سے امن میں رہے۔ دوسرے فسق و فجور اور روحانی بیماریاں جو اسے خدا سے دور کرتی ہیں اُن سے نجات پاوے۔ تو دنیا کا حسنہ یہ ہے کہ کیا جسمانی اور کیا روحانی دونوں طور پر یہ ہر ایک بلا اور گندی زندگی اور ذلت سے محفوظ رہے۔ خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (النساء: 29) ایک ناخن میں ہی درد ہو تو زندگی بیزار ہو جاتی ہے۔ میری زبان کے نیچے ذرا درد ہے اس سے سخت تکلیف ہے اسی طرح جب انسان کی زندگی خراب ہوتی ہے جیسے بازاری عورتوں کا گروہ کہ ان کی زندگی کیسی ظلمت سے بھری ہوئی اور بہائم کی طرح ہے کہ خدا اور آخرت کی کوئی خبر نہیں۔ تو دنیا کا حسنہ یہی ہے کہ خدا ہر ایک پہلو سے خواہ وہ دنیا کا ہو خواہ وہ آخرت کا ہر ایک بلا سے محفوظ رکھے اور فی الْآخِرَةِ حَسَنَةً میں جو آخرت کا پہلو ہے وہ بھی دنیا کے حسنہ کا ثمرہ ہے۔ اگر دنیا کا حسنہ انسان کو مل جاوے تو وہ فال نیک آخرت کے واسطے ہے۔ یہ غلط ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کا حسنہ کیا مانگنا ہے آخرت کی بھلائی ہی مانگو۔ صحت جسمانی وغیرہ ایسے امور ہیں جن سے انسان کو آرام ملتا ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ آخرت کے لیے کچھ کر سکتا ہے اور اس لیے ہی دنیا کو آخرت کی مزرعہ کہتے ہیں کہ درحقیقت جسے خدا دنیا میں صحت عزت اولاد اور عافیت دیوے اور عمدہ عمدہ اعمال صالحہ اس کے ہوں تو امید ہوتی ہے کہ آخرت بھی اس کی اچھی ہوگی۔

كُلُّ يَعْزَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ (بنی اسرائیل: 85) بات بہت عمدہ ہے کہ انسان نیکی اور پاکیزگی کی طرف جھک جاوے۔ دنیا میں مختلف فطرتیں ہوتی ہیں جس حد تک ایک سعید پہنچ جاتا ہے اس حد تک ہر ایک انسان نہیں پہنچتا۔ بعض کھوپڑیاں ایسی ساخت کی ہوتی ہیں کہ اس کھوپڑی والے انسان سمجھ ہی نہیں سکتے۔ ایک نیک ہوتا ہے وہ بدوں کی مجلس میں جا بیٹھے تو اسے کچھ حظ نہیں آتا اسی طرح ایک بد نیکیوں کی محفل سے کوئی حظ حاصل نہیں کر سکتا۔ گویا ایک سمندر درمیان میں حائل ہے کہ نہ ادھر کا آدمی ادھر جا سکتا ہے اور نہ ادھر کا ادھر آسکتا ہے۔ ایک ہماری جماعت ہے کہ جو کہیں مان لیتی ہے اور ہر طرح تیار ہیں اور خوب سمجھے ہوئے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ جب تک

ہمیں دجال کافر وغیرہ نہ کہہ لیں اور گالیاں نہ دے لیں ان کو صبر نہیں آتا۔ کیا ان کی آنکھیں نہیں یا کان نہیں یا دماغ نہیں۔ سب کچھ ہے مگر كُلُّ يَعْبَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ (بنی اسرائیل: 85)“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 302-303)

خلق اور خلق کے معنی

حضورؐ فرماتے ہیں:

”خلق اور خلق دو لفظ ہیں۔ خلق تو ظاہری حسن پر بولا جاتا ہے اور خلق باطنی حُسن پر بولا جاتا ہے۔ باطنی قویٰ میں جس قدر مثل عقل، فہم، سخاوت، شجاعت، غضب وغیرہ انسان کو دیے گئے ہیں ان سب کا نام خلق ہے اور عوام الناس میں آج کل جسے خلق کہا جاتا ہے جیسے ایک شخص کے ساتھ تکلف کے ساتھ پیش آنا اور تصنع سے اس کے ساتھ ظاہری طور پر بڑی شیریں الفاظی سے پیش آنا تو اس کا نام خلق نہیں بلکہ نفاق ہے۔

خلق سے مراد یہ ہے کہ اندرونی قویٰ کو اپنے اپنے مناسب مقام پر استعمال کیا جائے۔ جہاں شجاعت دکھانے کا موقع ہو وہاں شجاعت دکھاوے۔ جہاں صبر دکھانا ہے وہاں صبر دکھائے۔ جہاں انتقام چاہیے وہاں انتقام لے۔ جہاں سخاوت چاہیے وہاں سے سخاوت کرے یعنی ہر ایک محل پر ہر ایک قویٰ کو استعمال کرے نہ گھٹایا جائے نہ بڑھایا جائے۔ یہاں تک کہ عقل اور غضب بھی جہاں تک کہ اس سے نیکی پر استقامت کی جاوے۔ خلق ہی میں داخل ہے اور صرف ظاہری حواس کا نام ہی حواس نہیں ہے بلکہ انسان کے اندر بھی ایک قسم کے حواس ہوتے ہیں۔ ظاہری حواس تو حیوانوں میں بھی ہوتے ہیں مثلاً اگر ایک بکری گھاس کھا رہی ہے اور دوسری بکری آجائے تو پہلی بکری کے اندر یہ ارادہ پیدا نہ ہو گا کہ اُسے بھی ہمدردی سے گھاس کھانے میں شریک کرے۔ اسی طرح شیر میں اگرچہ زور اور طاقت تو ہوتی ہے مگر ہم اُسے شجاع نہیں کہہ سکتے کیونکہ شجاعت کے واسطے محل اور بے محل دیکھنا بہت ضروری ہے۔ انسان اگر جانتا ہے کہ مجھ کو فلاں شخص سے طاقت مقابلہ کی نہیں ہے یا اگر میں وہاں جاؤں گا تو قتل ہو جاؤں گا تو اس کا وہاں نہ جانا ہی شجاعت میں داخل ہے اور پھر اگر محل اور موقع کے لحاظ سے مناسب دیکھے کہ میرا وہاں جانا ضروری ہے خواہ جان خطرہ میں پڑتی ہو تو اس مقام پر جانے کا نام شجاعت میں داخل ہے۔ جاہل آدمیوں سے جو بعض وقت بہادری کا کام ہوتا ہے حالانکہ ان کو محل بہ محل دیکھنے کی تمیز نہیں ہوتی اس کا نام تہور ہوتا ہے کہ وہ ایک طبعی جوش میں آجاتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کام کرنا چاہیے تھا کہ نہیں۔ غرض یہ کہ انسان کے نفس میں یہ سب صفات مثل صبر، سخاوت، انتقام، ہمت، بخل، عدم بخل، حسد، عدم حسد ہوتی ہیں اور ان کو اپنے محل اور موقع پر صرف کرنے کا نام خلق ہے۔ حسد بہت بُری بلا ہے لیکن جب موقع کے ساتھ اپنے مقام پر رکھا جاوے تو پھر بہت عمدہ ہو جاوے گا۔ حسد کے معنی ہیں دوسرے کا زوالِ نعمت چاہنا لیکن جب اپنے نفس سے بالکل محو ہو کر ایک مصلحت کے لیے دوسرے کا زوال چاہتا ہے تو اس وقت یہ ایک محمود صفت ہو جاتی ہے جیسے کہ ہم تثلیث کا زوال چاہتے ہیں۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 326-327)

تقویٰ کی ضرورت کی نصیحت

حضورؐ فرماتے ہیں:

”جب تک انسان تقویٰ میں ایسا نہ ہو جیسے اونٹ کو سوئی کے ناکے سے نکالنا پڑے اُس وقت تک کچھ نہیں ہوتا۔ جس قدر زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ بھی توجہ فرماتا ہے۔ اگر یہ اپنی توجہ معمولی رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی معمولی توجہ رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ غَضِبَتْ غَضَبًا شَدِيدًا اِیہ طاعون کے متعلق ہی ہے پھر فرمایا اِنَّ مَعَ الرَّسُولِ اَقْوَمُ وَاَلْوَمُ مَنْ يَلُوْمُهُ اُفْطِرٌ وَاَصْوَمُهُ۔ میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہوں گا اور اس کی ملامت کروں گا جو ملامت کرتا ہے میں روزہ کھولوں گا بھی اور روزہ رکھوں گا بھی۔ یہ سب الہام طاعون کے متعلق ہیں۔ ملامت ایک دل کے ساتھ ہوتی ہے اور ایک زبان کے ساتھ۔ زبان کے ساتھ تو یہی ملامت ہے جو مخالف کرتے ہیں لیکن دل کی ملامت یہ ہے کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ کرے جو ہم پیش کرتے ہیں اور ان پر عمل کے لیے تیار نہ ہو۔ روزہ رکھوں گا اور کھولوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک وقت تک گویا طاعون کا زور گھٹ جائے گا یہ روزے کے دن ہوں گے اور ایک وقت ایسا ہو گا کہ اس میں کثرت سے ہوگی۔ اب دیکھا گیا ہے کہ کثرت سردی اور کثرت گرمی میں اس کی شدت اور تیزی رک جاتی ہے لیکن بہاری موسم فروری، مارچ اور ستمبر، اکتوبر میں اس کا زور بڑھ جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ دورے تھمنے والے نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دورے شدید ہیں۔ زمین پر خدا تعالیٰ سے غفلت اور سستی پھیل گئی ہے نیکیوں کی طرف توجہ نہیں رہی۔ ایسی صورت میں کیا اس کا علاج ڈاکٹری اصولوں سے ہو گا یا کوئی اور علاج اثر پذیر ہو سکے گا جب تک خدا تعالیٰ کی مرضی نہ ہو؟

مت خیال کرو کہ ہمارا ملک یا شہر یا گاؤں ابھی تک محفوظ ہے۔ یہ کل دنیا کے لیے مامور ہو کر آئی ہے اور اپنے وقت پر ہر جگہ پھرے گی۔ اس کے دورے بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ بعض وقت لوگ ان وجوہات کو نہیں سمجھ سکتے لیکن یاد رکھو کہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم اور ایماء سے ہو رہا ہے۔ اب اس کے وجوہ موٹے ہیں۔ بائیس برس پہلے خدا تعالیٰ نے براہین میں مجھے اس کی خبر دی اور پھر متواتر و قنًا فوقنًا وہ اطلاع دیتا رہا یہاں تک کہ جب ابھی پنجاب کے دو ضلعوں میں تھی تو اس نے مجھے بتایا کہ کل پنجاب اس کے اثر سے متاثر ہو جائے گا۔ اس وقت لوگوں نے اس پر ہنسی کی مگر اب بتائیں کہ ان کی ہنسی کا کیا جواب ہو؟۔ اجنبی لوگ اگر نہ مانیں تو نہ صحیح مگر ہماری جماعت جو دن رات نشانات کو دیکھتی ہے اُسے چاہیے کہ اپنی تبدیلی کرے۔ جو شخص امن کے زمانہ میں خدا سے ڈرتا ہے وہ بچایا جاتا ہے۔ ڈرنے والے زمانہ میں تو ہر ایک ڈرتا ہے۔ جب سونا اٹھایا جاوے تو اُس سے بھیڑ، بکری، کتا، بلی سب ڈرتے ہیں۔ انسان کی اس میں کون سی خوبی ہے یہ تو اس حالت میں ان سے جا ملا۔ اس کی دانشمندی اور دور بینی کا یہ تقاضا ہونا چاہیے تھا کہ پہلے ہی سے ڈرتا۔ بعض گاؤں میں سخت تباہی ہو چکی ہے یہاں تک کہ گھروں کے گھر مقل ہو گئے۔ جب زور سے پڑتی ہے تو پھر کھا جانے والی آگ کی طرح ہوتی ہے۔ ایک بار بلا دیشام میں پڑی تھی تو جانوروں تک کی صفائی اس نے کر دی تھی۔ یہ بڑی خطرناک بلا ہے اس سے بے خوف ہونا نادانی ہے۔ حقیقی ایمان ایک موت ہے۔ جب تک انسان اس موت کو اختیار نہ کرے دوسری زندگی مل نہیں سکتی۔

جو لوگ نری بیعت کر کے چاہتے ہیں کہ خدا کی گرفت سے بچ جائیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ ان کو نفس نے دھوکہ دیا ہے۔ دیکھو! طبیب جس وزن تک مریض کو دوپلائی چاہتا ہے اگر وہ اس حد تک نہ پیوے تو شفا کی امید رکھنی فضول ہے۔ مثلاً وہ چاہتا ہے کہ دس تولہ استعمال کرے اور یہ صرف ایک ہی قطرہ کافی سمجھتا ہے یہ نہیں ہو سکتا۔ بس اس حد تک صفائی کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔ جو خدا کے غضب سے بچانے والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں پر رحم کرتا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا میں اندھیر پڑ جاتا۔ انسان جب متقی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے اور اُس کے غیر میں فرقان رکھ دیتا ہے اور پھر اس کو ہر تنگی سے نجات دیتا ہے نہ صرف نجات بلکہ یَزِدُّهُ مَعِ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: 4)۔ پس یاد رکھو! جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے خدا تعالیٰ اس کو مشکلات سے رہائی دیتا ہے اور انعام و اکرام بھی کرتا ہے اور پھر متقی خدا کے ولی ہو جاتے ہیں۔ تقویٰ ہی اکرام کا باعث ہے۔ کوئی خواہ کتنا ہی لکھا پڑھا ہو وہ اس کی عزت و تکریم کا باعث نہیں اگر متقی نہ ہو لیکن اگر ادنیٰ درجہ کا آدمی بالکل اُمی ہو مگر متقی ہو تو وہ معزز ہو گا۔ یہ دن خدا تعالیٰ کے روزہ کے ہیں ان کو غنیمت سمجھو۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا روزہ کھولے تم اُس سے صلح کر لو اور پاک تبدیلی کر لو۔ جنوری کا مہینہ باقی ہے فروری میں پھر وہی سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ ایسی بلاؤں کا باعث صادق کی تکذیب ہوتی ہے اس لیے اور کوئی علاج کارگر نہیں ہو سکتا۔ بعض صحابہ اس مرض سے مرے ہیں لیکن وہ شہید ہوئے جیسے لڑائیاں جو دشمنوں کی ہلاکت کا موجب تھیں ان میں مرنے والے صحابہ بھی شہید ہوئے تھے۔ جو نیک آدمی مر جاتا ہے اس کو بشارت شہادت ملتی ہے جو بد آدمی مرتا ہے اس کا انجام جہنم ہے۔ جو شخص نیکیوں میں ترقی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے پناہ مانگتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بچا لیتا ہے۔ دیکھو! ایک لاکھ چوبیس ہزار یاکم و بیش واللہ اعلم پیغمبر گزرے ہیں مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی طاعون سے بھی ہلاک ہوا تھا۔ ہرگز نہیں یہ بلا بھی مامور ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتی ہے اس کی مجال نہیں کہ بلا حکم کوئی کام کرے... اگرچہ آج کل کسی قدر امن ہے مگر میں ڈرتا ہوں کہ وہ وقت خطرناک زور کا قریب ہے۔ اس لیے ہماری جماعت کو ڈرنا چاہیے۔ اگر کسی میں تقویٰ ہو جیسا کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے تو وہ بچایا جائے گا۔ اس سلسلہ کو خدا تعالیٰ نے تقویٰ ہی کے لیے قائم کیا ہے کیونکہ تقویٰ کا میدان بالکل خالی ہے پس جو متقی بنیں گے ان کو معجزہ کے طور پر بچایا جائے گا۔

سامعین! عرب صاحب نے یہاں پوچھا کہ حضور! جو لوگ حضور کو بُرا نہیں کہتے اور آپ کی دعوت کو نہیں سنا وہ طاعون سے محفوظ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ فرمایا:

میری دعوت کو نہیں سنا تو خدا کی دعوت تو سنی ہے کہ تقویٰ اختیار کریں بس جو تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ ہمارے ساتھ ہی ہے خواہ اس نے ہماری دعوت سنی ہو یا نہ سنی ہو کیونکہ یہی غرض ہے ہماری بعثت کی۔ اس وقت تقویٰ عنقا یا کبریت کی طرح ہو گیا ہے کسی کام میں خلوص نہیں رہا بلکہ ملوثی ملی ہوئی ہے۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس ملوثی کو جلا کر خلوص پیدا کرو۔ اس وقت ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَيْتِ وَالْبَيْتِ (الروم: 42) کا نمونہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یورپ اور دیگر ممالک کی بگڑی ہوئی حالتوں کا علم نہ تھا خدا تعالیٰ کی وحی پر ایمان تھا اور اب عرفان کی حالت پیدا ہو گئی ہے جو چاہے ان ممالک میں جا کر دیکھ لے۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 360-363)

دُعا کے آداب کے حوالے سے نصیحت

حضور فرماتے ہیں:

”دُعا بڑی عجیب چیز ہے مگر افسوس یہ ہے کہ نہ دعا کرنے والے آداب دُعا سے واقف ہیں اور نہ اس زمانے میں دُعا کرنے والے ان طریقوں سے واقف ہیں جو قبولیت دُعا کے ہوتے ہیں۔ بلکہ اصل تو یہ ہے کہ دُعا کی حقیقت ہی سے بالکل اجنبیت ہو گئی ہے بعض ایسے ہیں جو سرے سے دُعا کے منکر ہیں اور جو دُعا کے منکر تو نہیں مگر ان کی

حالت ایسی ہو گئی ہے کہ چونکہ ان کی دُعائیں بوجہ آدابِ دُعاسے ناواقفیت کے قبول نہیں ہوتی ہیں کیونکہ دُعائے اصلی معنوں میں دعا ہوتی ہی نہیں اس لیے وہ منکرین دُعاسے بھی گری ہوئی حالت میں ہیں۔ اُن کی عملی حالت نے دوسروں کو دہریت کے قریب پہنچا دیا ہے۔ دعا کے لیے سب سے اوّل اس امر کی ضرورت ہے کہ دعا کرنے والا کبھی تھک کر مایوس نہ ہو جاوے اور اللہ تعالیٰ پر یہ سوءِ ظن نہ کر بیٹھے کہ اب کچھ بھی نہیں ہو گا۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ اس قدر دعا کی گئی کہ جب مقصد کا شگوفہ سرسبز ہونے کے قریب ہوتا ہے۔ دعا کرنے والے تھک گئے ہیں جس کا نتیجہ ناکامی اور نامرادی ہو گیا ہے اور اس نامرادی نے یہاں تک بُرا اثر پہنچایا کہ دعا کی تاثیرات کا انکار شروع ہوا اور رفتہ رفتہ اس درجے تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ پھر خدا کا بھی انکار کر بیٹھتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ اگر خدا ہوتا اور وہ دعاؤں کو قبول کرنے والا ہوتا تو اس قدر عرصہ دراز تک جو دعائیں کی گئیں کیوں قبول نہ ہوں۔ مگر ایسا خیال کرنے والا اور ٹھوکر کھانے والا انسان اگر اپنے عدم استقلال اور تلون کو سوچے تو اسے معلوم ہو جائے کہ ساری نامرادیاں اس کی اپنی ہی جلد بازی اور شتاب کاری کا نتیجہ ہیں۔ جن پر خدا کی قوتوں اور طاقتوں کے متعلق بدزنی اور نامرادی کرنے والی مایوسی بڑھ گئی پس کبھی تھکنا نہیں چاہیے۔

دُعائی ایسی ہی حالت ہے جیسے ایک زمیندار باہر جا کر اپنے کھیت میں ایک بیج بوتا ہے اب بظاہر تو وہ یہ حالت ہے کہ اس نے اچھے بھلے اناج کو مٹی کے نیچے دبا دیا اس وقت کوئی کیا سمجھ سکتا ہے کہ یہ دانہ ایک عمدہ درخت کی صورت میں نشوونما کر پھل لائے گا۔ باہر کی دنیا اور خود زمیندار بھی نہیں دیکھ سکتا کہ یہ دانہ اندر ہی اندر زمین میں ایک پودا کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد وہ دانہ گل کر اندر ہی اندر پودا بننے لگتا ہے اور تیار ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا سبزہ اوپر نکل اتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ اب دیکھو وہ دانہ جس وقت سے زمین کے نیچے ڈالا گیا تھا دراصل اسی ساعت سے وہ پودا بننے کی تیاری کرنے لگ گیا تھا مگر ظاہر بین نگاہ اس سے کوئی خبر نہیں رکھتی اور اب جب کہ اس کا سبزہ باہر نکل آیا تو سب نے دیکھ لیا۔ لیکن ایک نادان بچہ اس وقت یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس کو اپنے وقت پر پھل لگے گا۔ وہ چاہتا ہے کیوں اسی وقت اس کو پھل نہیں لگتا مگر عقلمند زمیندار خوب سمجھتا ہے کہ اس کے پھل کا کون سا موقع ہے۔ وہ صبر سے اس کی نگرانی کرتا اور غور و پرداخت کرتا رہتا ہے اور اس طرح پر وہ وقت آجاتا ہے کہ جب اس کو پھل لگتا ہے اور وہ پک بھی جاتا ہے۔ یہی حال دُعاکا ہے اور بعینہ اسی طرح دُعای نشوونما پاتی اور مثمر بثمرات ہوتی ہے۔ جلد باز پہلے ہی تھک کر رہ جاتے ہیں اور صبر کرنے والے مال اندیش استقلال کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور اپنے مقصد کو پالیتے ہیں۔ یہ سچی بات ہے کہ دُعائیں بڑے بڑے مراحل اور مراتب میں جن کی ناواقفیت کی وجہ سے دُعاکر نے والے اپنے ہاتھ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان کو ایک جلدی لگ جاتی ہے اور وہ صبر نہیں کر سکتے حالانکہ خدا تعالیٰ کے کاموں میں ایک تدریج ہوتی ہے۔ دیکھو یہ کبھی نہیں ہوتا کہ آج انسان شادی کرے تو کل کو اس کے گھر بچہ پیدا ہو جاوے۔ حالانکہ وہ قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے مگر جو قانون اور نظام اس نے مقرر کر دیا ہے وہ ضروری ہے۔ پہلے نباتات کی نشوونما کی طرح کچھ پتہ ہی نہیں لگتا چار مہینے تک کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتا پھر کچھ حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور پوری معیاد گزرنے پر بہت بڑی تکالیف برداشت کرنے کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بچہ کا پیدا ہونا ماں کا بھی ساتھ ہی پیدا ہونا ہوتا ہے۔ مرد شاید ان تکالیف اور مصائب کا اندازہ نہ کر سکیں جو اس مدت حمل کے درمیان عورت کو برداشت کرنی پڑتی ہیں مگر یہ سچی بات ہے کہ عورت کی بھی ایک نئی زندگی ہوتی ہے۔ اب غور کرو کہ وہ کہ اولاد کے لیے پہلے ایک موت خود اس کو قبول کرنی پڑتی ہے تب کہیں جا کر وہ اس خوشی کو دیکھتی ہے۔ اسی طرح پر دُعاکر نے والے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ تلون اور عجلت کو چھوڑ کر ساری تکلیفوں کو برداشت کرتا رہے اور کبھی بھی یہ وہم نہ کرے کہ دُعای قبول نہیں ہوئی۔ آخر آنے والا زمانہ آجاتا ہے۔ دعا کے نتیجے کے پیدا ہونے کا وقت پہنچ جاتا ہے جبکہ گویا مراد کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دُعاکو پہلے ضروری ہے کہ اس مقام اور حد تک پہنچا جاوے جہاں پہنچ کر وہ نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے۔ جس طرح پر آتش شیشے کے نیچے کپڑا رکھ دیتے ہیں اور سورج کی شعائیں اس شیشے پر آکر جمع ہوتی ہیں اور ان کی حرارت اور حدت اس مقام تک پہنچ جاتی ہے جو اس کپڑے کو جلادے پھر یکایک وہ کپڑا جل اٹھتا ہے۔ اس طرح پر ضروری ہے کہ دعا اس مقام تک پہنچے جہاں اس میں وہ قوت پیدا ہو جاوے کہ نامرادیوں کو جلادے اور مقصد مراد کو پورا کرنے والی ثابت ہو جاوے۔

پیدا است ندلارا کہ بلند است جنابت

مدت دراز تک انسان کو دُعائوں میں لگے رہنا پڑتا ہے آخر خدا تعالیٰ ظاہر کر دیتا ہے۔ میں نے اپنے تجربہ سے دیکھا ہے اور گزشتہ راست بازوں کا تجربہ بھی اس پر شہادت دیتا ہے کہ اگر کسی معاملات میں دیر تک خاموشی کرے تو کامیابی کی امید ہوتی ہے لیکن جس امر میں جلد جواب مل جاتا ہے وہ ہونے والا نہیں ہوتا۔ عام طور پر ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک سائل جب کسی دروازہ پر مانگنے کے لیے جاتا ہے اور نہایت اضطراب اور عاجزی سے مانگتا ہے اور کچھ دیر تک جھڑکیاں کھا کر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا اور سوال کیے ہی جاتا ہے تو آخر اُس کو بھی کچھ شرم آہی جاتی ہے خواہ کتنا ہی بخیل کیوں نہ ہو پھر بھی کچھ نہ کچھ سائل کو دے ہی دیتا ہے تو کیا دعا کرنے والے کا ایک معمولی

سائل جتنا بھی استقلال نہیں ہونا چاہیے۔ خدا تعالیٰ جو کریم ہے اور حیار کھتا ہے جب دیکھتا ہے کہ اس کا عاجز بندہ ایک عرصہ سے اس کے آستانہ پر گر اہوا ہے تو کبھی اس کا انجام بد نہیں کرتا جیسے ایک حاملہ عورت چار پانچ ماہ کے بعد کہے کہ اب بچہ پیدا کیوں نہیں ہوتا اور اس خواہش میں کوئی مسقط دوانی کھالے تو اس وقت کیا بچہ پیدا ہو گا یا ایک ماپوسی بخش حالت میں وہ خود مبتلا ہوگی۔ اسی طرح جو شخص قبل از وقت جلدی کرتا ہے وہ نقصان ہی اٹھاتا ہے اور نہ نرا نقصان بلکہ ایمان کو بھی صدمہ پہنچ جاتا ہے۔ بعض ایسی حالت میں دہریہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں ایک نجا تھا اس کی عورت بیمار ہوئی اور آخر وہ مر گئی۔ اُس نے کہا اگر خدا ہوتا تو میں نے اتنی دعائیں کی تھیں وہ قبول ہو جاتیں اور میری عورت نہ مرتی۔ تو اس طرح پر وہ دہریہ ہو گیا۔ لیکن سعید اگر اپنے صدق اور اخلاص سے کام لے تو اس کا ایمان بڑھتا اور سب کچھ ہو بھی جاتا ہے۔ زمین کی دولتیں خدا تعالیٰ کے اگے کیا چیز ہیں۔ وہ ایک دم میں سب کچھ کر سکتا ہے کیا دیکھا نہیں کہ اس نے اس قوم کو جس کو کوئی جانتا بھی نہ تھا بادشاہ بنا دیا اور بڑی بڑی سلطنتوں کو ان کا تابع فرمان بنا دیا اور غلاموں کو بادشاہ بنا دیا انسان اگر تقویٰ اختیار کرے خدا تعالیٰ کا ہو جاوے تو دنیا میں اعلیٰ درجہ کی زندگی ہو مگر شرط یہی ہے کہ صادق اور جو ان مرد ہو کر دکھائے۔ دل متزلزل نہ ہو اور اس میں کوئی آمیزش ریاکاری و شرک کی نہ ہو۔ ابراہیم علیہ السلام میں وہ کیابات تھی جس نے اس کو ابو الملت اور ابو الحفاء قرار دیا اور خدا تعالیٰ نے اس کو اس قدر عظیم و شان برکتیں دیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں۔ یہی صدق اور اخلاص تھا۔

دیکھو! ابراہیم علیہ السلام نے ایک دعا کی تھی کہ اس کی اولاد میں سے عرب میں ایک نبی ہو پھر کیا وہ اسی وقت قبول ہوگی؟ ابراہیم کے بعد ایک عرصہ دراز تک کسی کو خیال بھی نہیں آیا کہ اس دعا کا کیا اثر ہو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی صورت میں وہ دعا پوری ہوئی اور پھر کس شان کے ساتھ پوری ہوئی۔ ظاہری نماز اور روزہ اگر اس کے ساتھ اخلاص اور صدق نہ ہو کوئی خوبی اپنے اندر نہیں رکھتا۔ جوگی اور سنیا سی بھی اپنی جگہ بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض اپنے ہاتھ تک سکھا دیتے ہیں اور بڑی بڑی مشقتیں اٹھاتے اور اپنے آپ کو مشکلات اور مصائب میں ڈالتے ہیں لیکن یہ تکالیف ان کو کوئی نور نہیں بخشتیں اور نہ کوئی سکینت اور اطمینان ان کو ملتا ہے بلکہ اندرونی حالت ان کی خراب ہوتی ہے۔ وہ بدنی ریاضت کرتے ہیں جس کو اندر سے کم تعلق ہوتا ہے اور کوئی اثر ان کی روحانیت پر نہیں پڑتا۔ اسی لیے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔ لَنْ يَسْتَأْذِنَ اللَّهُ لِحُومِهَا وَلَا دِمَائِهَا وَلَكِنْ يَسْتَأْذِنُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ (الحج: 38) یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تقویٰ پہنچتا ہے۔ حقیقت میں خدا تعالیٰ پوست کو پسند نہیں کرتا بلکہ وہ مغز چاہتا ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تقویٰ پہنچتا ہے تو پھر قربانی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس طرح نماز روزہ اگر روح کا ہے تو پھر ظاہر کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ بالکل گچی بات ہے کہ جو لوگ جسم سے خدمت لینا چھوڑ دیتے ہیں ان کو روح نہیں مانتی اور اس میں وہ نیاز مندی اور عبودیت پیدا نہیں ہو سکتی جو اصل مقصد ہے اور جو صرف جسم سے کام لیتے ہیں روح کو اس میں شریک نہیں کرتے وہ بھی خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں اور یہ جوگی اسی قسم کے ہیں۔ روح اور جسم کا باہم خدا تعالیٰ نے ایک تعلق رکھا ہوا ہے اور جسم کا اثر روح پر پڑتا ہے مثلاً اگر ایک شخص تکلف سے رونا چاہے تو آخر اس کو رونا آئی جائے گا اور ایسا ہی جو تکلف سے ہنسنا چاہے اُسے ہنسی آتی جاتی ہے۔ اسی طرح پر نماز کی جس قدر حالتیں جسم پر وارد ہوتی ہیں مثلاً کھڑا ہونا یا رکوع کرنا اس کے ساتھ روح پر بھی اثر پڑتا ہے اور جس قدر جسم نیاز مندی کی حالت دکھاتا ہے اسی قدر روح میں پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ خدا نے سجدہ کو قبول نہیں کرتا مگر سجدہ کو روح کے ساتھ ایک تعلق ہے اسی لیے نماز میں آخری مقام سجدہ کا ہے۔ جب انسان نیاز مندی کے انتہائی مقام پر پہنچتا ہے تو اس وقت وہ سجدہ ہی کرنا چاہتا ہے۔ جانوروں تک میں بھی یہ حالت مشاہدہ کی جاتی ہے۔ کتے بھی جب اپنے مالک سے محبت کرتے ہیں تو آکر اس کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیتے ہیں اور اپنی محبت کے تعلق کا اظہار سجدہ کی صورت میں کرتے ہیں۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جسم کو روح کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ ایسا ہی روح کی حالتوں کا اثر جسم پر نمودار ہو جاتا ہے۔ جب روح غم ناک ہو تو جسم پر بھی اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور آنسو اور پڑمردگی ظاہر ہوتی ہے۔ اگر روح اور جسم کا باہم تعلق نہیں تو ایسا کیوں ہوتا ہے۔ دوران خون بھی قلب کا ایک کام ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ قلب آبپاشی جسم کے لیے ایک انجن ہے۔ اس کے بسط اور قبض سے سب کچھ ہوتا ہے۔

غرض جسمانی اور روحانی سلسلے دونوں برابر چلتے ہیں۔ روح میں جب عاجزی پیدا ہو جاتی ہے پھر جسم میں بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے جب روح میں واقع میں عاجزی اور نیاز مندی ہو تو جسم میں اس کے آثار خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں اور ایسا ہی جسم پر ایک الگ اثر پڑتا ہے تو روح بھی اس سے متاثر ہو ہی جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ جب خدا تعالیٰ کے حضور نماز میں کھڑے ہو تو چاہیے کہ اپنے وجود سے عاجزی اور ارادت مندی کا اظہار کروا کر چہ اس وقت یہ ایک قسم کا نفاق ہوتا ہے مگر رفتہ رفتہ اس کا اثر دائمی ہو جاتا ہے اور واقعی روح میں وہ نیاز مندی اور فروتنی پیدا ہونے لگتی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو نمازوں میں لذت نہیں آتی مگر وہ نہیں جانتے کہ لذت اپنے اختیار میں نہیں ہے اور لذت کا معیار بھی الگ ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اشتہار درجہ کی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے مگر وہ اس تکلیف کو بھی لذت ہی سمجھ لیتا ہے۔ دیکھو! ان سوال میں جو لوگ لڑتے ہیں باوجودیکہ اس میں جانیں جاتی ہیں اور عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوتے ہیں مگر قومی حیثیت اور پاسداری ان کو ایک لذت اور سرور کے ساتھ موت کے منہ میں لے جا رہی ہے۔

ان کو قومی حیثیت اور پاسداری موت کے منہ میں خوشی کے ساتھ لی جاتی ہے۔ اُدھر قوم اُن کی محنتوں اور جانفشانیوں کی قدر کر رہی ہے۔ جبکہ اغراض قومی متحد ہیں پھر ان کی محنتوں کی قدر کیوں ہوتی ہے، ان کے دکھ اور تکالیف کی وجہ سے ان کی محنت اور جانفشانی کے باعث۔

غرض ساری لذت اور راحت دکھ کے بعد آتی ہے اسی لیے قرآن شریف میں یہ قاعدہ بتایا ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الانشراح: 7) اگر کسی راحت سے پہلے تکلیف نہیں تو وہ راحت راحت ہی نہیں رہتی۔ اسی طرح جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو عبادت میں لذت نہیں آتی اُن کو پہلے اپنی جگہ سوچ لینا ضروری ہے کہ وہ عبادت کے لیے کس قدر دکھ اور تکالیف اٹھاتے ہیں۔ جس قدر دکھ اور تکالیف انسان اٹھائے گا وہی تبدیل صورت کے بعد لذت ہو جاتا ہے۔ میری مراد اُن دکھوں سے نہیں کہ انسان اپنے آپ کو بے جا مشقتوں میں ڈالے اور مالایطاق تکالیف اٹھانے کا دعویٰ کرے۔

قرآن شریف میں لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ: 287) آیا ہے اور رہبانیت اسلام میں نہیں ہے جس میں پڑ کر انسان اپنا ہاتھ سکھالے یا اپنی دوسری قوتوں کو بیکار چھوڑ دے یا اور قسم قسم کی تکالیف شدیدہ میں اپنی جان کو ڈالے۔ عبادت کے لیے دکھ اٹھانے سے ہمیشہ یہ مراد ہوتی ہے کہ انسان اُن کاموں سے رکے جو عبادت کی لذت کو دور کرنے والے ہیں اور ان سے رکنے میں اولاً ایسی ضرورت تکلیف محسوس ہوگی اور خدا تعالیٰ کی ناراض مندیوں سے پرہیز کرے مثلاً ایک چور ہے اس کو ضروری ہے کہ وہ چوری چھوڑ دے، بدکار ہے تو بدکاری اور بد نظری چھوڑ دے... اسی طرح نشوں کا عادی ہے تو اُن سے پرہیز کرے۔ اب جب وہ اپنی محبوب اشیاء کو ترک کرے گا تو ضرور ہے کہ اول اول سخت تکلیف اٹھائے مگر رفتہ رفتہ اگر استقلال سے وہ اس پر قائم رہے گا تو دیکھ لے گا کہ ان بدیوں کے چھوڑنے میں جو تکلیف اس کو محسوس ہوتی ہے وہ تکلیف اب ایک لذت کا رنگ اختیار کرتی جاتی ہے کیونکہ ان بدیوں کے بالمقابل نیکیاں آتی جائیں گی اور ان کے نیک نتائج جو سکھ دینے والے ہیں وہ بھی ساتھ آئیں گے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہر قول و فعل میں جب خدا تعالیٰ ہی کی رضا کو مقدم کر لے گا اور اس کی ہر حرکت اور سکون اللہ ہی کے امر کے نیچے ہوگی تو صاف اور بین طور پر وہ دیکھے گا کہ پورے اطمینان اور سکینت کا مزہ لے رہا ہے۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جب کہا جاتا ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس: 63) اسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی ولایت میں آتا ہے اور ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آجاتا ہے۔

یاد رکھو کہ جب انسان خدا تعالیٰ کے لیے اپنی محبوب چیزوں کو جو خدا کی نظر میں مکروہ اور اس کے منشا کے مخالف ہوتی ہیں چھوڑ کر اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالتا ہے تو ایسی تکلیف اٹھانے والے جسم کا اثر روح پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی اس سے متاثر ہو کر ساتھ ہی ساتھ اپنی تبدیلی میں لگتی ہے یہاں تک کہ کامل نیاز مندی کے ساتھ آستانہ الوہیت پر بے اختیار ہو کر گر پڑتی ہے۔ یہ طریق ہے عبادت میں لذت حاصل کرنے کا۔

تم نے دیکھا ہو گا کہ بہت سے لوگ ہیں جو اپنی عبادت میں لذت کا یہ طریق سمجھتے ہیں کہ کچھ گیت گالیے یا باجے بجالیے اور یہی اس کی عبادت ہوگی۔ اس سے دھوکہ مت کھاؤ یہ باتیں نفس کی لذت کا باعث ہوں تو ہوں مگر روح کے لیے ان میں لذت کی کوئی چیز نہیں۔ ان سے روح میں فروتنی اور انکساری کے جوہر پیدا نہیں ہوتے اور عبادت کا اصل منشاگم ہو جاتا ہے۔ طوائف کی محفلوں میں بھی ایک آدمی ایسا مزہ حاصل کرتا ہے تو کیا وہ عبادت کی لذت سمجھی جاتی ہے۔ یہ باریک بات ہے جس کو دوسری قومیں سمجھ ہی نہیں سکتیں کیونکہ انہوں نے عبادت کی اصل غرض و غایت کو سمجھا ہی نہیں۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 415-424)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر مکاحقہ عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

